مقالات

شخصیت پرستی

(۳)

از جناب چوہدری غلام احمد صاحب (پرویز)

۴۔ پیر پرستی: عبادات میں اخلاص کا ہونا ضروری ہے۔ اسے قرآنی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔ اگر اخلاص نہ ہو تو پھر عبادت یا تو محض ریاکاری ہو جاتی ہے یا مشینی عمل کہ جس میں حرکت تو ہوتی ہے لیکن روح مفقود۔ جب عوام میں کچھ ظاہر داری آنے لگی تو حقیقت بیں نگاہوں نے اخلاص پر زور دیا اور عبادات کے اصل مقصد یعنی تزکیۂ نفس اور صفائی قلب کی طرف توجہ دلائی۔ یہ تھی تصوف کی ابتدا لیکن جس طرح اور شعبوں میں غلو و تشدد ہوا اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر، اس شعبہ میں ہوا۔ رفتہ رفتہ ایک نیا دین قائم ہو گیا جس کا تعلق باطن سے قرار دیا گیا، اور جو دین متواتر چلا آتا تھا اسے شریعت ظاہری کا لقب دیدیا گیا۔ آہستہ آہستہ اس ظاہری شریعت کے بے روح اور باطنی طریقت کے حقیقتِ دین قرار دیئے جانے سے اول الذکر ایک بے معنی فرسودہ اور بیکار سا عمل تصور ہونے لگا اور اصل شریعت یہی باطن پرستی ہو گئی۔ گویا یہ "مغزِ قرآن" تھا جسے اہلِ معرفت نے اپنے لیے مخصوص کر لیا اور "استخواں کا ڈھیر پیشِ سگاں" پھینکدیا۔ ظاہر ہے کہ جب شریعت ظاہری کو اس درجہ مہمل اور گھناؤنا بنا دیا جائے تو اس پر عمل بھی کیسے رہ سکتا ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ہوا یہ کہ وہ تمام عبادات و مناسک جن کے ذریعہ سے صدر اول کے مسلمانوں نے (رضی اللہ عنہم) دین و دنیا کی برکات حاصل کر لی تھیں اساطیر الاولین ہو گئیں اور ان کی جگہ ایسے اعمال و وظائف نے لے لی جو یا تو ایران کے آتشکدوں سے آئے تھے یا یونان کے اشراقیین کے زوایا سے۔ اس سے آگے بڑھے تو ہندوستان کی ویدانت نے اس کے ماتھے پر سیندور کا قشقہ لگایا۔

بغداد کی تباہی اونگھتے کے لیے ٹھیلتے کا بہانہ بن گئی۔ مرکز کی بربادی، ملت کا انتشار
میں وہ دل۔ نہ دلوں میں وہ حوصلے۔ مجاہدانہ ولولے، سپاہیانہ امنگیں، چلّہ کشی اور زہد
بدل گئیں۔ اب نہ وہ عقائد تھے نہ اعمال۔ زندہ خدا کا زندہ مذہب جس نے سوئی ہوئی دنیا کو جگایا
تھا، اب دنیا کو سلانے کے کام آنے لگا۔ چونکہ یہ تمام علوم سینہ بسینہ منتقل ہوتے چلے آرہے تھے اس
لیے خدا، رسول، قرآن، شریعت، سب سمٹ سمٹا کر ایک انسان میں جمع ہو گئے جسے مرشد و قبلہ
کہا گیا۔ انسان پرستی نسل پرستی کی طرف منجر ہوئی۔ اور "ارضی خلافت" کی طرح اس "روحانی
خلافت" کا سلسلہ بھی وراثتاً منتقل ہونے لگا۔ اب اس میں اور برہمیت میں کچھ زیادہ فرق نہ رہا۔ پیر کا حکم
بلاسند خدا کا حکم ہے۔ اس کے کسی لفظ اور عمل پر تنقید نہیں ہو سکتی۔ لب کشائی تو ایک طرف دل میں
اس کے خلاف گرانی محسوس نہیں ہونی چاہیے۔ کہ پیر دل کی لغزشوں اور آنکھ کی خیانتوں سے حاضر
غائب اسی طرح واقف ہے جس طرح خدا۔ خدا کی ناراضی تو پھر بھی گوارا کی جا سکتی ہے لیکن پیر کی نا
بڑی سخت چیز ہے کیونکہ اس سے تو انسان دنیا و عقبیٰ دونوں میں واندۂ درگاہ ہو جاتا ہے۔ اس کے
بعد کہیں ٹھکانا ہی نہیں۔ پھر نہ خدا اس کی مدد کر سکتا ہے نہ کوئی انسان حتیٰ کہ اگر کسی وقت خدا اور
میں سے ایک کو چھوڑنے اور دوسرے کو رکھنے کی مجبوری لاحق ہو جائے تو فیصلہ یہ ہو کہ "ہر تیاگوں گر
تیاگوں"۔ اللہ اکبر! اسلام انسانی استبداد مٹانے آیا تھا۔ ملوکیت کا استبداد تو انسان کے جسم
ہی محدود تھا لیکن اس استبداد کو دیکھیے کہ دل و دماغ پر مستولی ہے۔ رگ و ریشہ تک میں اترا ہوا
قلب و روح پر چھایا ہوا ہے۔ اگر پیر کی عظمت کے خلاف دل میں بھی کوئی خیال گذر جاتا ہے تو یہ ڈر
لرزتا ہے، کانپتا ہے۔ حالانکہ مومن کی شان یہ تھی کہ اسے خدا کے سوا دونوں عالم میں کسی کا ڈر نہیں
ہو سکتا تھا۔ خوف کا نشیمن تو مشرک کا قلب ہے جو عاجز و درماندہ مخلوق کے سامنے جھکتا ہے۔

؎ خدا کو چھوڑ سکتا ہوں۔ لیکن پیر کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ ایک مشہور صوفیانہ ہندی دوہے کا آخری مصرع ہے۔

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ — ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ

بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ (۱۵: ۳) — سے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

اور ان انسانوں سے ڈرتا ہے جو خود اس جیسے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ — یقیناً جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ خود

أَمْثَالُكُمْ (۱۹۴: ۷) — تمہارے ہی جیسے بندے ہیں۔

کہتے ہیں کہ صاحب ہم مرشد کو سجدہ تو نہیں کرتے۔ پھر یہ شرک کیسے ہوا لیکن انہیں معلوم نہیں کہ شرک ایک سجدہ تک ہی محدود نہیں۔ غیر کو سجدہ تو شرک کی ایک محسوس شکل ہے۔ اس کے علاوہ بڑی بڑی صورتیں ایسی بھی ہیں جو غیر مرئی اور غیر محسوس ہیں۔ وہاں تو شرک کی وسعت اس حد تک ہے کہ

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ۔ — کیا تم نے اس کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات

(۲۵: ۴۳) — کو ہی اپنا خدا بنا لیا۔

فرمائیے اتباع خواہشات میں کس کو سجدہ کیا جاتا ہے؟ اس میں شرک یہی ہے کہ اتباع جو صرف خدا کے فرمان کا ہونا چاہیے تھا، غیر خدا کی طرف منتقل ہو گیا۔ غیر خدا چاہے وہ انسان کا اپنا نفس ہی کیوں نہ ہو، جب مالک و مطاع بنا لیا جائے، اور خدا کے فرامین سے بے نیاز ہو کر اس کی پیروی کی جائے تو یقیناً شرک ہے۔ اب دیکھیے کیا پیر کی اطاعت اس طرح نہیں کی جاتی کہ جو کچھ وہ حکم دے۔ بلا سند کتاب وسنت واجب الاتباع سمجھ لیا جائے؟ کہتے ہیں کہ ہم پیر کی اطاعت اس لیے کرتے ہیں کہ۔ ع۔

سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

لیکن کیا یہود و نصاریٰ جس بنا پر اپنے احبار و رہبان کی اطاعت کرتے تھے، وہ اس سے کچھ مختلف تھی؟ پھر خدا نے قرآن میں اس کو شرک کیوں قرار دیا؟ کہتے ہیں کہ ہم اطاعت مرشد تقرب الٰہی کے لیے کرتے ہیں۔ لیکن دیکھیے کہ مشرک کس غرض سے غیر اللہ کی بندگی کرتے تھے:۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ اور جو لوگ خدا کے سوا دوسروں کو کارساز بناتے ہیں
مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی وہ (کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی پرستش اس لیے کرتے ہیں
(۳۹ : ۳) کہ وہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں۔

کہتے ہیں کہ ہم پیر کو وسیلہ بناتے ہیں معرفت الٰہی کے لیے۔ اس کی سند میں یہ آیت پیش کی جاتی ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف
اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (۵ : ۳۵) وسیلہ ڈھونڈھو۔

حالانکہ یہی آیت ان کے اس دعوے کی تردید کر رہی ہے۔ اوپر کا حصہ آیت کا آدھا ٹکڑا ہے باقی حصہ اس وسیلہ کی تشریح کر رہا ہے کہ

وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اور اس کے راستہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

یعنے تقرب الٰہی کا حقیقی وسیلہ جس کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ ہے کہ راہ حق میں باطل کے خلاف جانفشانی اور سخت جد و جہد کی جائے۔ یہ وسیلہ وہی چیز ہے جسے غالب نے "تقریب ملاقات بہر" سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی انسان کا دامن تھام لو اور علم و عمل سے بے پروا ہو کر یہ سمجھ بیٹھو کہ جس کا دامن تھاما ہے، وہی خدا سے لے جا کر ملا دے گا۔ ایسے اندھے توسل کی تو اسلام نے ہرگز تعلیم نہیں دی۔ آنکھیں بند کر کے کسی انسان کی پیروی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر پیشوا گمراہ ہو تو وہ پیرووں کے ریوڑ کو جس گڑھے میں چاہے لے جا کر پھینک دے۔ توسل کے اسی غلط تصور نے یہاں تک نوبت پہونچا دی کہ سندھ کے ایک پیر صاحب نے اپنے گھر کو کعبہ قرار دیا اور ان کے مرید اس کعبہ کا حج کرنے لگے۔

اصل یہ ہے کہ ایک غلط طریقہ کو جائز و برحق ثابت کرنے کے لیے نہایت معصوم صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور قرآن و حدیث کی آیتیں اس غرض کے لیے توڑ مروڑ کر پیش کی جاتی ہیں کہ اس

طریقہ کی چند ظاہری صورتوں کو مشروع ثابت کر دیا جائے۔ حالانکہ اگر اس کی روح کو دیکھا جائے تو وہ قطعاً منافی اسلام ہے۔ پیر کے اندر وہ تمام صفات جمع کر دی جاتی ہیں جو صرف خدا کے لیے مخصوص ہیں۔ اس سے ڈرتے ہیں اس لیے کہ اس کی ناراضگی سے نقصان و ضرر پہونچتا ہے۔ اسے مناتے ہیں اس لیے کہ اس کی خوشنودی سے منافع و مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ حالانکہ نفع و نقصان کا واحد مالک آقائے حقیقی ہے۔

قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا (۱۱:۴۸) کہیے کہ اگر تمہیں اللہ نفع یا نقصان پہنچانا چاہے تو وہ کون ہے جو اس کے سامنے تمہارے لیے کسی بات کا بھی اختیار رکھتا ہو۔

چونکہ پیر کے متعلق یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اسے محکمۂ قضا و قدر میں دخل حاصل ہوتا ہے اس لیے اس سے دعائیں کرائی جاتی ہیں۔ بلاشبہ ایک مومن کا دوسرے مومن کے لیے دعائیں کرنا نیک عمل ہے اور جس قدر کوئی خلوص دل سے دعا کریگا اسی قدر اس کی اجابت کی زیادہ امید ہوگی۔

لیکن اس نیت سے دعائیں کرانا کہ خدا ہماری تو سنتا نہیں ان کی وہاں تک رسائی ہے اس لیے اس سے بات منوالیں گے، یقیناً خدا کے متعلق بڑا غلط اندازہ ہے۔ اللہ تو ہر بندۂ مومن سے فرماتا ہے کہ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا۔ اور اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ۔ کون ہے جو کسی بے قرار کی فریاد رسی کرتا ہے؟ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللهِ کیا وہ اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ اور جب میرے بندے میری بابت تم سے پوچھیں تو کہدو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جب کہ وہ مجھے پُکارے۔

یاد رکھیے کہ ہدایت قرآن میں آچکی۔ ظاہر۔ باطن۔ شریعت طریقت سب کچھ وہی ہے۔ خدا کے

ملنے کا راستہ بھی وہی ہے جسے خدا ہی نے صراط مستقیم کہا۔ اور جسے خود نبی اکرمؐ نے امت کو دکھا دیا۔ اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ کوئی چور دروازہ نہیں جس کے راستے کوئی دوسرا خدا تک لے جائے اور یہ راستہ صرف اسی طرح ملتا ہے کہ تمام انسانوں کی غلامی کا طوق اتار کر صرف ایک خدا کی غلامی اختیار کر لی جائے۔ یہی خود رسول اللہ نے کیا۔ اور اسی کے کرنے کا حکم دیا۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۔ (۳:۵۰) میرا اور تمہارا رب وہی اللہ ہے ۔ اسی کی غلامی اختیار کرو۔ یہ ہے صراط مستقیم۔

اس کے علاوہ اور کوئی "راز" نہیں جو حضور خفیہ خفیہ کسی ایک کو بتا گئے ہوں۔ کہ یہ چیز تبلیغ رسالت کے منافی تھی جس کے لیے حضور مامور تھے۔

باقی رہی بزرگوں کی تعظیم تو اس میں بلاشبہ بڑی سعادت ہے۔ ان کی مبارک زندگیاں ہمارے لیے تقویت ایمان کا موجب ہیں اس لیے کہ انہوں نے دنیا کو بتا دیا کہ کس طرح اپنے نفس کے شیطانی رجحانات کو تقویٰ و خشیت الٰہی کی قوتوں سے مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ اور کس طرح ایک اللہ کا ہو کر سارے جہان کی غلامی سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے تمام دنیا کی مخالفت کے باوجود بڑے بڑے کفر و الحاد کے مرکزوں میں جا کر قرآن و اسوۂ حسنہ کی روشنی راہ گم کردہ انسانوں تک پہونچائی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اعمال صالحہ آج اس الحاد و مادہ پرستی کے بحر تلاطم میں روشنی کے میناروں کی طرح محکم و استوار کھڑے ہیں کہ حوادث زمانہ کی متلاطم موجیں آئیں اور ان سے سر ٹکرا کر لوٹ جائیں۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۔

لیکن تعظیم اور تعبد کے باریک فرق کو بھول جانے سے صحیح راستہ گم ہو جاتا ہے۔ لہذا اسے کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔

۵۔ مردہ پرستی | پیر پرستی کی غلامی کا طوق پیر کی زندگی تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ اس کی مملکت

ابدی ہے۔ مرنے کے بعد وہ اسی طرح قلب و دماغ پر چھایا رہتا ہے جیسا زندگی میں۔ بلکہ اب اس کی گرفت پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو جاتی ہے کہ اب وہ دربار خداوندی کا حاضر باش ممبر تصور کیا جاتا ہے۔ بلکہ عقیدۂ "وصول بالحق" کی رو سے تو وہ خدا میں مل کر خود خدا بن جاتا ہے۔ وہ تمام مریدوں کے حالات سے باخبر ہوتا ہے۔ ہر ایک کی دعائیں سنتا ہے۔ ان کی مشکل کشائی کرتا ہے مصیبت میں بعض اوقات بنفس نفیس تشریف لا کر حاجت روائی کرتا ہے۔ غرضیکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کو کرنا چاہیے تھا اب اس کی جگہ پیر صاحب کرتے ہیں۔ حالانکہ مُردوں کے متعلق قرآن کریم کا کھلا کھلا فیصلہ ہے کہ یوم بعث تک وہ کسی دنیا والے کی سننے اور جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاءَكُمْ — اور اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار نہیں
وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ — سنیں گے۔ اور اگر سنیں بھی تو جواب نہیں دے سکتے
الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ (۲۵:۱۴) — اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے

ان کو اتنا بھی علم نہیں کہ وہ کب قیامت کے لیے اٹھائے جائیں گے۔

"اور جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ خود مخلوق ہیں۔ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں، اور اتنی بھی خبر نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے (۱۶:۲۱)

۶۔ ماضی پرستی | ہم نے جس قدر پرستشیں گنائی ہیں اگر آپ بنظر تعمق دیکھیں گے تو ان میں ایک چیز بطور قدر مشترک نظر آئے گی، اور وہ ماضی پرستی ہے۔ یہی ان تمام غلط عقائد کی اصل ہے۔ اسلام مستقبل کو درخشندہ و تابناک دکھلانے والا مذہب تھا۔ لیکن انسانی دماغوں نے جس مذہب کی تشکیل کی وہ تو بہرکیف انسانی مذہب ہی ہو سکتا تھا جس کی رو سے ہمیشہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج بڑا تاریک ہے۔ اور گذشتہ کل بڑا روشن تھا۔ یہ کلجگ ہے اور وہ ست جگ تھا۔ آپ آج سے پیچھے ہٹتے جائیے اور ہر ایک ایسے بزرگ کی تصنیف اٹھائیے جس کا عہد آپ کے نزدیک بڑا مقدس اور نورانی تھا۔ آپ دیکھیں گے کہ

وہ بھی یہی گلہ کرتے ہوں گے کہ ہمارا زمانہ بڑا تاریک ہے۔ اور گذشتہ زمانہ بڑا تابندہ تھا۔ ذہن انسانی کی کچھ افتاد ہی ایسی ہے۔ اور اسی افتاد کا نتیجہ ہے کہ جو شئے گذشتہ زمانہ سے متعلق ہو واجب التعظیم ہو جاتی ہے۔ ائمہ پرستی۔ اسلاف پرستی۔ مردہ پرستی۔ سب اسی ماضی پرستی کی مختلف شاخیں ہیں۔ اور جب تک ماضی پرستی کا تخیل درست نہ ہوگا حقائق پرستی کبھی نہیں آئے گی۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہم ماضی سے بے نیاز ہو جائیں۔ ماضی ہمارے آباؤ کی وراثت ہے ہم اس سے متمتع کیوں نہ ہوں لیکن ماضی کے متعلق یہ سمجھ لینا کہ ہر ایک فن عہد ماضی میں اپنی تکمیل کو پہنچ گیا اور ایسا مکمل ہوگیا کہ اس میں کوئی نقص، کوئی کمی باقی نہیں رہی۔ نہ اس پر اضافہ ہو سکتا ہے نہ ترمیم۔ نہ اس پر تنقید ہو سکتی ہے نہ تنقیح۔ یہ ہے ماضی پرستی۔ دین یقیناً مکمل ہو چکا۔ اور اس اعتبار سے عہد رسالت مآب اور عہد صحابہ کبار نوع انسانی کی تاریخ میں اسلام کا مکمل ترین عہد ہے کہ اس وقت قرآن ہدایت تھا اور اسوۂ حسنہ اس کے لیے روشنی تھی اور دین میں ابھی ذہن انسانی کی کارفرمائیاں نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن حقائق قرآنی تو کسی زمانہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں۔ قرآن تو کتاب فطرت ہے۔ اور جس طرح فطرت کے رازہائے سربستہ ذہن انسانی کی نشو و ارتقاء کے ساتھ بے نقاب ہوتے چلے جا رہے ہیں، اور فطرت کی کوئی شئے کسی مقام پر بھی جا کر یہ نہیں کہدیتی کہ بس اب مجھ میں مزید تحقیق بیکار ہے۔ میرے سینے میں جس قدر بھی گہرے آبدار موجود تھے وہ سب باہر آ چکے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کے حقائق بھی عقل انسانی کے ساتھ ساتھ جلوہ بار ہوتے جائیں گے، اور چونکہ یہ نوع انسانی کی ہدایت کے لیے آخری کتاب ہے اس لیے جب تک دنیا میں انسان باقی ہیں یہ ان کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے مطابق سامان ہدایت دیتی چلی جائے گی۔ اسی اعتبار سے ہم کہتے ہیں کہ قرآن کسی خاص ماحول میں مقید نہیں ہو سکتا لیکن ماضی پرستی ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اور یہی ہے وہ چیز جس سے دماغ پر سخت بیڑیاں پڑ جاتی ہیں۔ عقلیں معطل ہو جاتی ہیں۔ قوائے عمل مضمحل ہو جاتے ہیں۔ فکر و نظر کی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

کبھی قدم اٹھتے بھی ہیں تو منہ کا رخ چونکہ پیچھے کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے ہر قدم پر منزل سے اور بُعد ہو جاتا ہے۔ قومیں آگے بڑھتی ہیں! اور یہ قوموں کے امام پیچھے جاتے ہیں۔ دنیا اوپر کو ابھرتی ہے اور یہ دنیا کے پیشوا نیچے کو جاتے ہیں۔ ان کے پاؤں میں اتنی بوجھل زنجیریں ہیں کہ وہ انہیں اوپر اُٹھنے ہی نہیں دیتیں۔ جن قوموں میں دین رسوم پرستی بن کے رہ گیا (اور یہ ماضی پرستی کا ہی دوسرا نام ہے) وہ قومیں کبھی ابھر نہیں سکیں۔ انہوں نے کبھی ابھرنا بھی چاہا تو چونکہ ان کا اصل دین ان سے گم ہو چکا تھا اس لیے انہیں سہارا دینے کی کوئی چیز نہ مل سکی لیکن افسوس ہے مسلمانوں پر کہ ان کے پاس خدا کی کتاب زندہ۔ اس کے رسولؐ کا اسوۂ مقدسہ زندہ۔ اور یہ قوم پھر بھی مُردہ کی مُردہ سچ ہے زمین شور پر ابر رحمت کیا گہرباری کریگا وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

حقائق پرستی آپ نے غور فرمایا کہ یہ تمام پرستشیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس لیے پیدا ہو گئیں کہ مسلمانوں نے بھی دیگر مذاہب کے متبعین کی طرح، حقائق پرستی کو چھوڑ کر، شخصیت پرستی اختیار کر لی۔ حالانکہ ان کے پاس حقائق ازلی کا مکمل دستور اپنی اصلی صورت میں موجود تھا اور انہیں اس کو چھوڑ کر کسی ظن و تخمین کے اتباع کی ضرورت ہی نہ تھی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ علوم و فنون کی نشر و اشاعت زیادہ تر عہد عباسیہ میں ہوئی لیکن اس زمانہ میں مرکز اسلام پر یکسر عجمیت غالب آچکی تھی۔ اور شاہ پرستی عجمیوں کی فطرت میں داخل تھی۔ اس لیے اگر ایکطرف بادشاہ ظل اللہ قرار دیا گیا۔ تو دوسری طرف ائمۂ دین و علوم کی پرستش بھی کسی کم درجہ میں نہیں کرائی گئی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ تنقید کی حد سے بالاتر وہ چیزیں ہو سکتی ہیں جن پر ایمان لانے کے لیے ہم مکلف ہیں نہ کہ ہر انسان۔ خدا۔ رسولؐ کتاب ملائکہ آخرت۔ اجزائے ایمان ہیں اور اس لیے تنقید سے بلند لیکن کسی اور انسان پر ایمان لانا تو کہیں نہیں لکھا۔ اس لیے ان کو تنقید سے بالا کیوں سمجھا جائے؟ اس میں شبہ نہیں کہ جس قسم کی غلط عقیدت و ارادت

ہمارے دلوں میں بزرگانِ سلف رح کی طرف سے پیدا ہو چکی ہے اور جو صدیوں سے متوارث چلی آتی ہے اس کو کسی اور قسم کی عقیدت اور ارادت سے بدل دینا ، آسان نہیں ذہنی غلامی کے جو طوق و سلاسل مسلمانوں نے اپنی گردنوں میں ڈال رکھے ہیں اور جن کے وہ اب اس درجہ خوگر ہو چکے ہیں کہ وہ گویا فطرت ثانیہ بن چکے ہیں ان کا اتار پھینکنا اب تقریباً محال معلوم ہوتا ہے ۔ آپ نے نہیں دیکھا کہ جب کسی تیتر یا بٹیر کو ایک عرصہ تک پنجرہ میں بند رکھا جائے تو وہ پھر اس قفس کا اس درجہ عادی ہو جاتا ہے کہ اس کا مالک اسے پنجرہ کے باہر کھلا چھوڑ دیتا ہے خود پنجرہ کے آگے آگے چلتا ہے ۔ اور وہ اس کے پیچھے دوڑتا ہے اور چونچیں مار مار کر اس کا بند دروازہ کھولتا ہے ۔ حالانکہ اس کے بازو دل میں قوت بھی ہوتی ہے ۔ اور آزادی کی فضائے بسیط اس کی آنکھوں کے سامنے لیکن اس کے نزدیک جو آرام قفس کے گوشہ میں ہوتا ہے کھلی فضا میں نہیں ہوتا کیونکہ وہ کھلی فضا کو غیر فطری چیز سمجھنے لگتا ہے ۔ بالکل اسی طرح مدتہائے دراز کی ذہنی قید کی وجہ سے ہم اس درجہ خوگر بند و سلاسل ہو چکے ہیں کہ ان کے اتار پھینکنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ایک متاع گراں بہا چھنی جا رہی ہے ۔ دین ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے ۔ عاقبت خراب ہو رہی ہے لیکن یہ سب ہمارے قلوب کے وساوس ہیں ۔ ذہن کے چھلاوے ہیں ۔ جس چیز کو ہم حقیقت سمجھ رہے ہیں وہ حقیقت نہیں ۔ جو ہمیں ہدایت نظر آتی ہے وہ ہدایت نہیں ۔ دھوکہ ہے ۔ فریب ہے ۔ اور یہ اس لیے کہ

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۔ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ۔ (۴۳ : ۳۶-۳۷)

جو شخص خدا کے ذکر (قرآن) سے اندھا بن جاتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے ۔ وہ (شیاطین) ان کو راہ سے گمراہ کر دیتے ہیں (روکتے رہتے ہیں) اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سیدھے راستے پر ہیں

آخر میں حضرات علماء کرام کی خدمت میں بادب درخواست کروں گا کہ وہ تصریحات بالا پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں، اور دیکھیں کہ قرآن کریم کی تعلیم ہمیں کدھر بلا رہی ہے اور ہم کدھر جا رہے ہیں۔ ان حضرات کو شکایت ہے کہ نیا تعلیم یافتہ طبقہ، دین سے بیگانہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے لیکن ان حضرات نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ چونکہ یہ حضرات علمی دنیا سے بالعموم الگ رہتے ہیں اس لیے انہیں معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ الحاد و بیدینی کی اس رو کا سرچشمہ کہاں ہے؟ یہ دین کی اتنی ہی خدمت اور ان برائیوں کا صرف اسی قدر علاج کافی سمجھتے ہیں کہ اپنے مواعظ و فتاویٰ میں ان لوگوں کو مردود و ملعون قرار دیدیا جائے۔ لیکن اس سے تو اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اس سے مرض اور بڑھ جاتا ہے۔ مجھے نوجوانوں کی ایسی جماعت سے خلا ملا کا بہت موقع ملتا ہے۔ درحقیقت میری زندگی ہی ان میں گذر رہی ہے۔ اس لیے مجھے ان کی ذہنی افتاد اور رجحانات قلبی کے مطالعہ کا خوب موقع ملتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ان میں سے بہتوں کے ساتھ یہ ہوا کہ ان کی فطرت صحیحہ نے مذہبیات کے اُس حصہ سے بغاوت کرنی چاہی جو انسانوں کا وضع کردہ ہے۔ لیکن ان پر جبر کیا گیا کہ وہ اُسے بھی دین خداوندی ہی سمجھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اُس حصہ سے بھی بغاوت کرنے لگے جو فی الواقع خدا کی طرف سے تھا۔ چنانچہ مجھے کئی ایک ایسے نوجوانوں سے سابقہ پڑا جو اسی طرح حامیان دین کے بگاڑے ہوئے مریض تھے۔ میں نے ان کے سامنے آہستہ آہستہ وہ دین پیش کیا جو فی الحقیقت دین ہے۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ حقیقت کے گرویدہ ہو گئے۔ چنانچہ ان میں سے اب اکثر ایسے ہیں جو اپنی بیشتر مساعی خود دین کی مدافعت میں صرف کرتے ہیں۔ میں نے ایسا کرنے میں قطعاً یہ نہیں کیا کہ جدت پسند طبقہ کی طرح قرآن کریم کی دور از کار تاویلات کی ہوں۔ اور ان کے ذہنی و قلبی رجحانات کی رعایت کر کے حقیقت کو ان سے چھپایا ہو۔ یا دین کو محض ایک آئیڈیل کی حیثیت سے پیش کر کے عبادات و شعائر الٰہی کو

بے معنی قرار دیا ہو۔ نَعُوذُ بِاللہِ مِنْ ذٰلِکَ بلکہ کیا صرف یہ کہ قرآن کریم کی تفسیر خود قرآن سے اور اس کی عملی مثال اسوۂ رسول اللہ سے ان کے سامنے رکھدی۔ اور اس کے بعد بتادیا کہ کوئی نظریہ یا قول خواہ زمانۂ جدید سے متعلق ہو یا قدیم سے، جو اس کسوٹی پر پورا نہ اترے وہ کبھی حقیقت ثابتہ نہیں ہو سکتا۔ حقیقت صرف یہی ہے اور یہی دین ہے۔ چنانچہ اس کے نتائج بڑے اطمینان بخش ظاہر ہوئے۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے اور ایک ایسے احول کا تجربہ ہے جسے "کٹر" یورپ زدہ "ماحول" کہنا چاہیے اور جس کے ہاتھوں مولوی صاحبان اس درجہ نالاں ہیں۔ اور یہی تجربہ ہے جو ان سطور کے لکھنے کا محرک ہوا۔ یہ وہ بصیرت ہے جو مجھے قرآن سے حاصل ہوئی ہے۔ اور اگر میں اپنے فہم قرآن میں غلطی کرتا ہوں تو میں اس کی اصلاح کے لیے بھی ہر وقت تیار ہوں بشرطیکہ وہ غلطی قرآن ہی سے ثابت کی جائے۔ (د) ان الھدی ھدی اللہِ وفیھا بصائر للناس و ھدًی و رحمۃ لقوم یوقنون۔

التعلیق الصبیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح

تالیف جناب مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

مشکوٰۃ شریف علم حدیث کی مشہور مستند کتابوں میں سے ہے جس میں صحاح ستہ اور دوسری معتبر کتب حدیث کا عطر نکال کر رکھدیا گیا ہے۔ فاضل مولف نے عربی زبان میں اس کی شرح لکھی ہے جس کے متعلق مولانا انور شاہ صاحب مرحوم و مغفور جیسے علامۂ اجل کی شہادت ہے کہ اب تک اس کتاب کی اس سے بہتر شرح نہیں لکھی گئی۔ اس میں پچھلی تمام شرحوں کی خوبیاں جمع کر دی گئی ہیں اور ان پر حسب ذیل خصوصیات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۔ اسرار شریعت اور حقائق و معارف اسلامیہ کے بیان کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے۔

۲۔ ہر باب کی ابتدا میں اس کے مضمون کے لحاظ سے تمام آیات قرآنیہ جمع کر دی گئی ہیں تاکہ حدیث اور قرآن کے درمیان تطبیق کے مباحث واضح ہو جائے۔

۳۔ صحابہ و تابعین کے مذہب مفصل بیان کیے گئے ہیں اور اختلافی مسائل میں ائمۂ اربعہ کے مذاہب پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

یہ کتاب فاضل مولف نے خود دمشق جا کر چھپوائی ہے۔ کاغذ و طباعت بہترین ہے۔ چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں دو جلدیں عنقریب چھپ کر آنے والی ہیں۔

قیمت عــہ کلدار۔ عــہ حالی علاوہ محصول ڈاک **دفتر ترجمان القرآن** سے طلب فرمائیے۔